فقہ العجائب

"خدا پیما" یا میثاقِ ازل

ابو الامتیاز ع. س. مسلم

سان ڈیگو، امریکا کی یونیورسٹی آف کیلے فورنیا کے سائنس دانوں نے انسانی دماغ میں ایک ایسے " مقیاس" یا "پیمانے" کا سراغ لگایا ہے، جسے انہوں نے "GOD MODULE" یعنی نعوذ باللہ "خدا پیما" کا نام دیا ہے، پیشتر اِس کے کہ اِس پر خیال آرائی کی جائے، خبر کے متن کا مطالعہ ضروری ہے:

"انسانی دماغ میں 'خدا پیما' کی دریافت"

"لندن: سائنس دانوں کو یقین ہے کہ انہوں نے انسانی دماغ میں ایک ایسے 'خدا پیما' (GOD MODULE) کا سراغ لگایا ہے، جو انسان کی ارتقاء پذیر جبلّت یا فطرتِ بالیدگی کو مذہب پر ایمان کی طرف مُنعطِف کرتا ہے۔ یہ انکشاف 'سنڈے ٹائمز' کی ایک رپورٹ میں کیا گیا ہے"۔

"مرگی کے مریضوں کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ عمیق روحانی تجربات سے دوچار ہوتے ہیں۔ اُن پر تحقیق سے دریافت ہُوا کہ انسانی دماغ کے اگلے حصے میں ایک 'دائرۂ اَعصاب' (CIRCUIT OF NERVES) موجود ہے، جو اللہ تعالیٰ کے تصور سے برقی رَو (الیکٹرک کرنٹ) کی طرح متحرک ہو جاتا ہے"

"سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ ہر چند یہ تحقیق اور اس کا ماحصل تمہیدی مرحلے میں ہیں، لیکن ابتدائی نتائج سے واضح ہے کہ مذہب پر ایمان کا یہ طبیعی مظہر انسانی دماغ میں مضبوطی سے نصب (HARD WIRED) کر دیا گیا ہے"۔

"مرگی کے اُن مریضوں نے (جن کے دماغ کی ذہنی لویں گرفت میں آجاتی ہیں) یعنی جن کے دماغ کی پیش لووں (FRONTAL LOBES) پر دَورے پڑتے ہیں،

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

کہا کہ اُنہیں اکثر انتہائی توانا روحانی مشاہدات کا تجربہ ہوتا ہے، اور وہ مذہبی روحانی کیفیت میں کھو جاتے ہیں"۔

"کیلے فورنیا یونیورسٹی سان ڈیگو، یو ۔ ایس ۔ اے کے اَعصابی سائنس کے ماہرین (NEURO SCIENTISTS) کی ایک ٹیم نے کہا کہ سب سے زیادہ حیرت انگیز توضیح یہ ہے کہ دورۂ مرگی سے دماغ کے اُس شعبے کے اَعصاب جسے "خدا پیا" کا نام دیا گیا ہے، غیر معمولی طور پر متحرک ہو جاتے ہیں"۔ (جس سے انسان ایک روحانی قوت یعنی خدا کا یقین کرنے لگتا ہے ۔ ع س م)۔

"اِس ٹیم نے گذشتہ دِنوں ایک کانفرنس میں بیان کیا کہ 'کن پٹیوں' کے اندر دماغی لووں (TEMPORAL LOBES) میں ممکنہ طور پر مذہب کے دائرۂ کار سے متعلق مخصوص اَعصابی نظام (NEURAL MACHINERY) مختص ہے۔ اور یہ غالبًا معاشرے میں نظم و ضبط اور قیامِ استحکام کے لئے وجود پذیر ہُوا ہے"۔

"سائنس دانوں کا کہنا ہے، کہ کوئی خواہ مذہب کو مانتا ہو، یا خدا پر ایمان رکھتا ہو، اِس کا انحصار اِس امر پر ہے کہ (اُس کے) دماغ کے 'دائرۂ اعصاب' کا یہ نظامِ کار کس قدر ترقی یافتہ ہے"۔

"تحقیقی ٹیم کے سربراہ ڈاکٹر DR. VILAYANUR RAMACHANDRAN (ولایانُر راماچندرن) کا کہنا ہے کہ اِس مطالعاتی جائزے میں مرگی زدہ مریضوں کا ایسے عام (نارمل) لوگوں سے موازنہ بھی کیا گیا جن کا کہنا تھا کہ وہ انتہائی مذہب پسند ہیں۔ اُن کی جلد پر 'برقی رَو پیا' لگادیئے گئے، جو بطنِ دماغ میں ذہنی لووں (TEMPORAL LOBES) کو ماپنے کا معیاری قاعدہ ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ جب مذہبی دعائیہ الفاظ تحریر کی صورت میں اُن کے سامنے کئے گئے تو مرگی زدہ اور دوسرے راسخ العقیدہ مذہب پسندوں کی کیفیت اور ردِ عمل یکساں تھے"۔

"نظریہ' اِرتقاء کے عَلَم بردار سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ خدا پر ایمان، جو دنیا بھر کے تمام انسانی معاشروں میں مشترک ہے، اور تاریخ کے ہر دَور میں موجود رہا ہے، دماغ کے پیچیدہ و دقیق دائرۂ نظامِ برقی (BRAIN'S COMPLEX ELECTRICAL CIRCUITRY) میں بُن دیا گیا ہے، جسے ڈارونی تصرف (DARWINIAN ADAPTATION) کہہ لیجئے، تاکہ (اِس وحدتِ تصور سے) نوعِ انسانی کے افراد کے درمیان باہمی ہم آہنگی کی حوصلہ افزائی ہو"۔

"اگر یہ تحقیق درست ہے کہ انسانی دماغ میں ایک 'خدا پیا' موجود ہے، تو اِس

کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو لوگ 'وجودِ حق' سے منکر اور دہریئے ہیں، اُن کے 'دائرۂ اعصاب' کے نظام کی ترتیب یا ساخت مختلف ہے"۔ (لیکن یہ تو محض نظری استدلال ہوا، کیا عملی تحقیق نے بھی یہ واقعتاً ثابت کردیا ہے کہ اُن کے اندر 'خدا پیا' یا اس کا کوئی متبادل موجود نہیں؟ یا کیا وہ خالی الذہن ہیں؟...... ع س م)

" آکسفورڈ کے بشپ رچرڈ ہیریز (RICHARD HARRIES) کے ایک ترجمان کا کہنا ہے، کہ اگر کوئی 'خداپیا' ہے، تو یہ مسئلہ سائنس دانوں کے لئے ہے، نہ کہ دینیات کے علماء کے لئے۔ اُس نے کہا: "اِس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان کی (روحانی کے علاوہ) طبیعی (یعنی مادی) صلاحیت کے ساتھ پیدا کیا ہے"۔

(بشکریہ 'دی نیشن'، لاہور۔ ۶۔ نومبر ۱۹۹۷ء)

اس تجزیئے میں ڈاکٹر ولایانُر راما چندرن (DR. VILAYANUR RAMACHANDRAN) کی سربراہی میں ماہرینِ اعصاب کی ایک تحقیقاتی ٹیم نے مرگی کے ایسے مریضوں کے مشاہدے اور معائنے کے بعد، جو 'عمیق روحانی تجربوں' سے گزرے تھے، دعویٰ کیا ہے، کہ دماغ کے سامنے کے حصے میں ایک ایسا 'دائرۂ اعصابیہ' (CIRCUIT OF NERVES) موجود ہے، کہ جوں ہی مرگی کا دَورہ پڑتا ہے وہ خدا کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں۔ یہ 'خداپیا' دائرۂ اعصابیہ برقی رَو (الیکٹرک کرنٹ) کی طرح متحرک ہوجاتا ہے اور وہ مذہب کی طرف راغب اور روحانی تجربوں سے دوچار ہونے لگتے ہیں۔

سائنس دانوں نے اِس 'مظہر' کی اَور تشریحات بھی کی ہیں، کہ اِس 'خدا پیا' کا 'ارتقاء' معاشرے میں اِستحکام اور نظم و ضبط یا دوسرے معنی میں عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے ہُوا ہوگا۔ یا دماغ میں یہ تصرف ڈارون کے نظریئے کے مطابق افراد میں باہمی تعاون کے فروغ کے لئے عمل پذیر ہُوا ہے، وغیرہ --- واضح رہے کہ یہ سب امور اخلاق اور ذہن و فکرِ انسانی سے متعلق ہیں، نہ کہ اِرتقائے طبیعی (جسمانی) سے۔

خدا کا تصوّر

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کرۂ ارض پر موجود تمام انسانوں کی بڑی اکثریت خواہ اُس کا تعلق کسی بھی رنگ، نسل، علاقے، معاشرے، مہذب و متمدن یا غیر مہذب و غیر متمدن طبقے سے ہو، یا وہ تاریخ یا زمانۂ ماقبلِ تاریخ کے کسی بھی ادوار سے تعلق رکھتے ہوں، کسی نہ

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ: تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے پروردہ ہیں

کسی صورت میں ایک قادرِ مطلق، ایک اِلٰہ اور کسی نہ کسی رنگ میں "مذہب" یا "روحانیت" سے گہرا لگاؤ رکھتے رہے ہیں، اور رکھتے ہیں۔ اور اگر جہالت کی گھٹائیں بہت ہی تاریک ہوں، تو بھی اپنے جذبۂ عبودیت کی تسکین کے لئے مظاہر فطرت، آباء و اجداد یا اُن کی تمثیلِ اصنام میں متبادل تلاش کرلیتے ہیں۔ گویا مذہب کی طرف کوئی نہ کوئی راستہ ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ تو کیا اکثریتِ آدم ہمیشہ مرگی زدہ رہی ہے؟ اور خود سائنس دان ولایانُر راما چندرن جس معاشرے اور تہذیب کی پیداوار ہیں، اُس میں تو خیر سے 'خداؤں' اور مذاہب کی اتنی بھرمار ہے کہ شاید شمار سے بھی باہر ہو، کیا ہم اُن سب کو مرگی زدہ شمار کریں!

طبی تاریخ میں یہ مظہر بھی عام ہے کہ کسی شخص کی یادداشت جو ایک عرصہ سے کھو چکی تھی، ناگہانی صدمے یا جھٹکے سے واپس آگئی۔ یا جسم کے کسی حصے کی حرکت جو ماؤف ہوچکی تھی، پھر جاری ہوگئی، حالانکہ وہ شخص معروف معنیٰ میں مریض، معذور یا مرگی زدہ نہ تھا۔

ظاہر ہے، کہ ایسا نہیں ہے۔ یعنی یہ 'مرگی زدگی' کا کمال نہیں ہے، تو یہ تسلیم کرنے میں کیا عار ہے، کہ خداپرستی یا دوسرے لفظوں میں توحید پرستی، اور اس سے اخذ ہونے والے نتائج یعنی ایمان، یقین اور مذہب، انسانی جبلت میں داخل ہیں؟ اور یہ ایک مریض کی جبلت نہیں، بلکہ فطرتِ صالح کی مظہر ہے۔

تاریخ یا وقت کے کسی بھی مرحلے پر دنیا میں مرگی زدہ لوگوں کی فی صد تعداد کیا ہوگی؟ اس کے مقابلے میں اِس یا کسی اور علت سے مبّرا، خدا کے ماننے والوں کی تعداد کیا ہے! پس ثابت ہُوا کہ ایک اِلٰہِ واحد کا تصور ایک صحت مند دماغ کا ناگزیر خاصہ ہے، نہ کہ بیمار ذہن کا۔ ضمنی طور پر اِس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ تصور یا احساسِ حق چونکہ ذہن سے متعلق ہے، اِس لئے انسانی شعور کا بھی جو اُسے عام خلقتِ حیوانی سے ممتاز و ممیز کرتا ہے، تقاضا یہی ہے۔ اور یہی امتیاز باعثِ شرف بشر ہے، جس نے بہ اتفاقِ مذاہب فرشتوں کو انسان کے سامنے سجدہ ریزی پر مجبور کیا۔

دماغ میں تصورِ الٰہی کی کیفیت ایسے ہی ہوسکتی ہے جیسے مادی جسم میں روح کا وجود، یا کسی مرحلے میں قطرۂ آب یا منجمد خون میں اُس کا حلول، یا جسم میں کسی اور انداز سے ہَوا کی طرح تنفس کی موج، اور حیات کی نشوونما۔

جب تک روح موجود ہے، زندگی قائم ہے۔ روح جسم سے رخصت ہوجائے تو زندگی ختم ہوجاتی ہے، ہر گاہ کہ ہمیں اِس روح کی حقیقت کا اِدراک نہیں، لیکن کوئی ایسی لطیف یا

☆☆☆ میں نے امام شافعی سے زیادہ کسی کو عقل والا نہیں پایا (ابو عبید) ☆☆☆

غیر مرئی شے جسمِ انسانی میں کارفرما ہے، جو باعثِ حیات ہے! ورنہ جسم تو زندگی اور موت ہر دو صورتوں میں بغیر کمی و بیشی کے موجود ہوتا ہے، لیکن زندگی یا حیات کے لئے لازم ہے کہ روح موجود ہو۔ اِسی سے ہستی کا اثبات ہے۔

یہ روح کیا ہے؟

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّی - 'کہہ دو کہ یہ امر ربی یعنی میرے رب کا حکم یا ارادہ ہے' (۱۷ - بنی اسرائیل - ۸۵) یہ لفظ 'کُنْ' ہے۔ جب اللہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے، یعنی اُسے مقدر کردیتا ہے، تو حکم فرماتا ہے، 'کُنْ' یعنی ہوجا، اور وہ ہوجاتی ہے۔ اور یہ لفظ 'کُنْ' بھی دراصل اُس کا 'امر' یا ارادہ ہی ہے ---

نوعِ انسانی تمام جستجو کے باوجود کم ازکم اب تک 'روح' کی ماہیت کو نہیں سمجھ سکی، کیونکہ ایک دوسرے تناظر کے مطابق وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلاً "اور تم (یعنی نوعِ انسانی) کو علمِ قلیل ہی دیا گیا ہے"۔ (۱۷- بنی اسرائیل - ۸۵) ☆

اس عدم دریافت سے یہ لازم نہیں آتا کہ چونکہ جسمِ انسانی میں کوئی "روح پیما" یا روح کا متعین مقام یا نقش دریافت نہیں ہوا، اُس لئے اس کا وجود ہی نہیں ہے۔

روح کا ہمارے جسم کے ساتھ اتنا گہرا تعلق ہونے کے باوجود کہ جس کے ساتھ زندگی اور موت کے رشتے بندھے ہوئے ہیں، ہم ابھی تک نہیں جان پائے کہ یہ مادی ہے تو کہاں ہے، اور غیر مرئی ہے تو کہاں سے آتی ہے، اور کیسے نکل جاتی ہے۔ اور نہ ہی ہم اس کا تعلق کسی طبیعی مظہر یعنی PHYSICAL MANIFESTATION یا روح پیما (SOUL MODULE) سے جوڑ

روح کیا ہے ؟

اللہ تعالیٰ نے کوئی علم انسان کی دسترس سے باہر نہیں رکھا، جیسا کہ ہم نے آئندہ صفحات میں آیۂ کریمہ "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا" اور تسخیر کائنات کے ضمن میں اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ عطائے علم میں کسی طرح کی تحدید ہرگز مقصودِ الٰہی نہیں۔

اِس خاص مقام پر 'علمِ قلیل' کا تذکرہ ایک محدود تناظر میں کیا گیا ہے۔ قریشِ مکہ یا اہلِ یہود حضورؐ کو آزمانے کے لئے سوال کرتے رہتے تھے: وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ (۱۷-بنی اسرائیل- ۸۵) "وہ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں" باالفاظ دیگر وہ قاصد وحی 'روح الامین' اور 'روح القدس' یعنی جبرائیلؑ کی ماہیت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، جن چیزوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے اُن سے تو اِعراض کرتے ہیں اور

بر صفحہ آئندہ

☆ بحث جو کھٹے میں ملاحظہ فرمائیں۔

سکتے ہیں۔ نہ ہی یہ کسی طرح کسی طبعی یا ذہنی 'ارتقائی' عمل کا ثمر دکھائی دیتی ہے۔

پھر اسے ایک امرِ ربی، منشائے الٰہی، اور ارادۂ خالق سمجھ کر قبول کرنے میں کیا امر مانع ہے۔ اگر روح تک جو مخلوق ہے، یا اُس کے (MODULE) یا 'رُوح پیا' تک رسائی حاصل نہیں ہے، تو کیا روح کے خالق کے 'خدا پیا' - (GOD MODULE) کی 'دریافت' خام خیالی نہیں!

اور نہیں تو روح کے بارے میں ہم کم از کم اتنا تو جانتے ہیں کہ یہ جسم سے خارج کی ایک لطیف شے ہے، جس کا جسم میں وجود، احساسِ حیات کی نوید ہے۔

لیکن تصورِ الٰہی، تصورِ حق، تصورِ خالق یا تصورِ خدا کیا ہے! جو ہماری دانست میں ہماری جبلت میں داخل ہے! حتیٰ کہ سائنس دانوں کے بقول وہ ہمارے دماغ میں پیشانی کی جانب ایک خاص مقام پر نقش پذیر ہے۔ یہاں تک کہ وہ کسی خیال، جھٹکے یا مشاہدے سے برقی رَو کی طرح متحرک ہو کر ہمیں روحانی پرواز پر لے جاتا ہے، اور عجیب و غریب تجربات سے دوچار کراتا ہے۔

میثاقِ ازل

کیا یہ نقش یا مُہر ازل کے اُس

غیر ضروری مسائل میں بغرض عیب جوئی جھگڑتے رہتے ہیں، اِس لئے فرمایا کہ رُوح الامین کی ذات و صفات کے بارے میں، حسبِ ضرورت اور اُن کے بقدرِ ظرف علم اجمالاً دے دیا گیا، اُن کی معرفت کے لئے وہی کافی ہے۔ باقی صرف کٹ حجتی ہے۔

'رُوح'، اللہ کی ایسی پُراسرار، مُحیر العقول اور عجیب و غریب تخلیق ہے کہ انسان اِس پر جتنا بھی غور کرے، لذتِ فکر کے ساتھ تشنگیِ شوق فزوں تر ہوتی جاتی ہے، اور خیال کی ڈور کنگرۂ ایمان سے یوں لپٹ لپٹ جاتی ہے، کہ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ (۵۳ - نجم - ۱۰)۔

'رُوح' ایک بنیادی اور نہایت وسیع المعنیٰ لفظ ہے، اور ایسے ہی وسیع الاستعمال بھی ہے، کچھ معانی یہ ہیں:

رُوحِ الٰہی، روحِ اعظم: ذاتِ باری تعالیٰ

رُوح الامین، روح القدس: جبریلؑ

رُوح اللہ: لقبِ عیسیٰؑ (نہ کہ فی نفسہٖ اللہ کی روح)

رُوح: وحی، الہام، امر، القائے خیال وغیرہ

رُوح: جان، جوہر، عطر، نچوڑ وغیرہ

منجملہ دیگر معانی کے 'رُوح' کے ایک مستقل معنیٰ بحسبِ بالا 'جان' کے ہیں، جیسے:

... فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ (۳۸ - صٓ - ۷۲) "اور جب میں اُس (آدم) کو پورا (بہ احسنِ تقویم) بناچکوں اور اُس میں اپنی (طرف سے روح) جان پھونک (ڈال) دوں، تو تم (سب) اُس کے رُوبرو سجدے میں گر پڑو"۔

... رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ ج أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ (۴ - النساء - ۱۷۱) "مسیح عیسیٰ بن مریم

بر صفحہ آئندہ

میثاق کا نتیجہ تو نہیں ہے، جب خالقِ مطلق نے عالمِ ارواح سے سوال کیا۔

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (۷-اعراف-۱۷۲)
"کیا میں تمہارا رب نہیں"؟

اور تمام مخلوق نے بیک زبان تسلیم کیا۔

قَالُوْابَلٰی (۷- اعراف- ۱۷۲)
"بے شک آپ ہمارے رب ہیں"۔

پھر جب اللہ نے آدم کی شکل میں حیات عطا کی، تو ان کی رہنمائی، ہدایت، کردار سازی اور باہمی معاملات اور ہم آہنگی کے لئے پیغمبرانِ کرام اور ان کے ذریعے ہدایت کے تمام ذرائع یعنی کتب بھیجیں، تاکہ معاشرے میں انصاف، عدل، استحکام اور نظم و ضبط قائم رہے۔ کیا یہ وہی میثاقِ ازل نہیں ہے جسے سائنس دان اب 'مرگی زدگان' کے دماغ میں دریافت کررہے ہیں؟ یا یہ 'خدا پیائی' کا اعصابی دائرہ ہے جس کے متحرک ہونے پر ہی خدا کا احساس ہو۔ ظاہر ہے کہ صورت واقع

اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں، جو مریمؑ کی طرف القا کیا گیا، اور اُس کی طرف سے ایک 'رُوح'"۔ یہاں بھی مجملہ دیگر وسعتِ معنیٰ کے، مفہوم 'جان' واضح ہے۔ اور آخر میں:

... الَّتِیْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا (۶۶ - تحریم - ۱۲) "(اور عمران کی بیٹی مریمؑ) جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی، پس پھونک دیا اُس میں ہم نے اپنی روح سے" - یعنی اپنی طرف سے جان ڈال دی۔

اِن کے علاوہ بھی قرآنِ کریم نے مختلف آیات میں 'رُوح' کے وسعتِ معانی کی طرف اشارے کئے ہیں، اور یہ اعجازِ قرآن اس بات کی دعوت ہے کہ انسان 'رُوح' کی جستجو میں پیش قدمی کرے، اور منشائے الٰہی کے مطابق تسخیر کائنات کے سیاق و سباق میں ہر بار وسیع سے وسیع تر مفہوم و معانی کی تلاش اور تحقیق و تدقیق میں گامزن رہے۔ بحث میں ہم نے 'رُوح' کو بہ معنیٰ جان ہی لیا ہے جو ہماری بحث پر عین منطبق ہوتا ہے۔

اس بحث کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ دونوں جگہ ایک ہی لفظ 'رُوح' استعمال ہوا ہے، اور ۱۷ - ۸۵ میں اُس کے معنیٰ 'روح الامین' یا 'روح القدس' کے خصوص سے اگر عام تحدید علم کا اشتباہ پیدا ہو، تو رفع ہوجائے۔

تو یہی ہے، کہ اس میثاق کی مہر اللہ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہمارے دل و دماغ اور فطرت پر ثبت کردی ہے، لیکن کج خیال اور کج نظر لوگ اس سیدھی سادی حقیقت کی توضیح بھی اپنی کج روی کی طرح کج دلیلوں سے کرتے ہیں۔

ہم خواب دیکھتے ہیں - بڑے بڑے صحت مند لوگ، قوموں کے سردار، ماہرانِ علوم، سائنس دان اور بادشاہ تک خواب دیکھتے ہیں۔ اور عالمِ خواب میں وہ سب نہ صرف اپنے خیالات کو مجسم دیکھتے ہیں بلکہ اگر آگ دیکھی، تو اس کی تپش، چوٹ کا درد، جنگ کی گھن گرج

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۶۴ ہجری اور سن وصال ۲۴۱ ہجری ہے ☆

وغیرہ غرض یہ کہ ہر چیز محسوس کرتے ہیں۔ حضرت یوسفؑ کا خواب سب سے زیادہ مشہور ہوا جو کہ تمام مذاہب کو تسلیم ہے۔ بعض خوابوں کا اثر تا عمر محسوس ہوتا ہے۔ ایسے خوابوں کی بھی کمی نہیں جو سچ ثابت ہوئے اور انہوں نے قوموں کی تاریخ بدل دی۔ راقم الحروف خود حالتِ خواب میں متعدد ایسے تجربات سے دوچار ہوچکا ہے، جو بعد میں حرف بحرف صحیح ثابت ہوئے۔ اگر خیال کا خواب میں مجسم ہوکر سامنے آجانا مرگی زدگی نہیں ہے تو ایک الٰہِ واحد کا جاگتے میں تصور اور اس کے نتائج کا انسانی کردار میں عمل پذیر ہونا کیسے غیر صحت مند ہوگیا۔

ایک قادرِ مطلق اور الٰہِ واحد میں ایمان اور روحانی تجربات کو بیماری سے منسلک کرنے کا یہ پہلا واقع نہیں ہے۔ رسول کریمؐ پر بھی کہانت، جادوگری اور جنون (نعوذ باللہ) کی تہمت طرازی کی گئی تھی، اور تاریخ میں جتنے جلیل القدر پیغمبر گزرے ہیں، انہیں بھی ایسے الزامات کا ہدف بننا پڑا۔ سائنس دانوں کی اِس ٹیم کو انسانی دماغ کی اِس ساخت کا جواز قدرتِ خداوندی اور رحمتِ الٰہی میں ڈھونڈنا چاہیئے، جس نے انسان کو پیدا کرکے، اُس سے میثاق لے کر، اور اپنے بندوں کے لئے اُس میثاق کی پابندی کو آسان کرنے کے لئے رسولانِ کرامؑ بھیج کر اور خود دماغِ انسانی میں اس میثاق کی پاسداری کا اہتمام کرکے اُن پر احسانِ عظیم فرمایا تاکہ معاشرے میں اعتدال اور عدل و انصاف قائم رہے۔ واضح رہے کہ یہاں 'خدا پیا' کی حقیقت یا عدم حقیقت پر نہیں، بلکہ اُس کی توجیہِ مرگی زدگی پر اعتراض مقصود ہے۔

رہ گئے مرگی زدہ لوگوں کے تجربات، تو اس کی توضیح کے اور جواز الگ ڈھونڈنے ہوں گے۔ دنیا میں اِس وقت ایسے بھی مرگی زدہ ہیں جو باوجودیکہ جسمانی صلاحیتوں سے محروم ہیں، لیکن مثال کے طور پر علم طبیعات (PHYSICS) میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ مرگی کے جھٹکے یا دَورے بعض ایسے اَعصاب کو متحرک کردیتے ہیں جن میں بشمول خدا پرستی اور مذہب پرستی اور بھی کچھ صلاحیتیں ہوں، جو عارضی طور پر ظاہر ہوجاتی ہوں، لیکن خداپرستی اور مذہب سے لگاؤ کو مرگی کا نتیجہ قرار دینا خود مرگی زدہ ہونے کی علامت تو ہوسکتی ہے اِس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتی۔

چند مشاہدات

یہاں راقم الحروف کے چند اپنے مشاہدات نقل کردینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

۱۹۶۱ء میں اپنے دَورۂ ناروے کے دوران میں مَیں ذہنی پسماندگان کے ایک ادارے

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ : امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہوجاتا

میں تربیت اور مشاہدے کے لئے چند روز کے لئے قیام پذیر تھا۔ وہاں میری ملاقات ایک ایسے ذہنی پسماندہ نوجوان سے ہوئی جس کی عمر ۱۷ - ۱۸ سال تھی۔ اس کا مقیاسِ ذہنی I.Q پچاس سے بھی کم تھا۔ وہ صرف چند لفظ بول سکتا اور شاید بمشکل پندرہ تک گن سکتا تھا اور اس کی رال ہر وقت ٹپکتی رہتی تھی۔ اس کی بقیہ زندگی کا اندازہ ایک ڈیڑھ برس سے زیادہ نہ تھا۔ وہ کوئی کام سیکھنے یا پڑھنے کا اہل نہ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک حیرت انگیز صلاحیت بخش رکھی تھی۔ آپ کوئی بھی تاریخ، مہینہ اور سن بتا کر اس سے متعلقہ دن دریافت کریں خواہ وہ پانچ سال قبل کا ہو، پچاس سال قبل کا یا اور زیادہ قدیم، وہ صحیح دن بتا دیتا، حالانکہ اُس کو بولنے میں بھی خاصی دقت ہوتی تھی۔ میں نے اپنے سفر اور بچوں کی پیدائش کی تاریخیں بتاکر اُس کا امتحان لیا اور وہ ہر بار پورا اترا۔ یہ لڑکا مرگی کا مریض نہیں تھا۔

سن ۶۰ اور ۷۰ عیسوی کی دہائی میں کراچی پاکستان میں سندھ گورنمنٹ پریس مینجر جی اے مجددی کا پندرہ سولہ سالہ ذہنی پسماندہ بیٹا، جسے پیار سے 'مولوی صاحب' پکارا جاتا تھا، اور کسی اسکول میں داخل ہونے کے قابل نہ تھا، مستقبل میں پیش آنے والے واقعات اور حادثات کے بارے میں پیش گوئی کر دیتا تھا۔ جو اکثر اوقات درست ثابت ہوتی۔ میری مجددی صاحب سے ملاقات گاہے بگاہے اپنے برادرِ نسبتی ڈاکٹر جی ایم مہکری مرحوم کے ہاں ہوتی رہتی تھی۔ ایک دن اُس نے مجددی صاحب کے ایک دوست کو، جو میلوں دُور سے انہیں ملنے آیا تھا، دیکھ کر کہا کہ 'آگ لگی ہے'۔ اُس کی ذہنی کیفیت کی وجہ سے کسی نے توجہ نہ دی، لیکن جب وہ شخص واپس گھر پہنچا تو دیکھا کہ گھر یا گیراج میں واقعی آگ لگی ہوئی تھی، جو خاصے نقصان کا باعث ہوئی تھی۔

اِسی لڑکے کا دوسرا واقعہ مشہور جرنلسٹ اور 'پاکستان ٹیکسٹائل جرنل' کے مدیر مظہر یوسف صاحب نے مجھ سے بیان کیا۔ جولائی ۱۹۷۷ء کے ابتدائی دنوں میں وہ اور ڈاکٹر جی ایم مہکری، بہ سلسلہٗ ملاقات مجددی صاحب کے گھر گئے، جہاں انہیں مغرب کا وقت ہوگیا۔ مجددی صاحب نے صحن میں کرسیاں لگوادیں، جہاں یہ لوگ بیٹھ کر گفتگو کرنے لگے۔ موضوعِ گفتگو ذوالفقار علی بھٹو تھے، جن کے خلاف پی این اے کی سرگرم تحریک جاری تھی۔ ایک کرسی کم تھی، اور 'مولوی صاحب' اچانک آکر ڈاکٹر مہکری کی گود میں بیٹھ گئے۔ اتنے بڑے ذہنی پسماندہ لڑکے سے بھی یہ امر غیر متوقع تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے گھبرا کر اُسے پرے

دھکیل دیا۔ اتنی دیر میں چائے آگئی، اُس لڑکے نے چائے کی پیالی مہکری صاحب کے ہاتھ سے چھین لی۔ صورتِ حال خراب دیکھ کر مجددی صاحب نے کہا 'ڈاکٹر! خوش ہو جاؤ، تمہارے دلدر دُور ہوگئے'۔ ڈاکٹر صاحب کو لڑکے کی ذہنی کیفیت اور غیر معمولی صلاحیت یاد آگئی، اور انہوں نے تاسف کا اظہار کیا۔ مجددی صاحب نے بیٹے کو اشارہ کر کے کہا، 'جاؤ اور کرسی لے آؤ'۔ اُس نے فوری طور پر جواب دیا، 'اُلٹ گئی، اُلٹ گئی - کرسی اُلٹ گئی'۔ اُسی رات بھٹو صاحب کی حکومت کا تختہ اُلٹ گیا اور مارشل لاء نافذ ہوگیا۔ یہ لڑکا بھی مرگی زدہ نہیں تھا۔ ☆

غیر معمولی یادداشت ایک اور حیرت انگیز صلاحیت ہے۔ جو بعض ذہنی پسماندہ بچوں میں پائی گئی ہے ۔ ناروے میں بعض ذہنی پسماندہ "بچوں" سے بیس برس بعد میری دوبارہ ملاقات میں نام اور قومیت کی اجنبیت کے باوجود انہیں اِس ادھیڑ عمر میں بھی نہ صرف مجھے پہچاننے، بلکہ میرا نام یاد آنے میں بھی کوئی دقت پیش نہیں آئی۔

یہی خاصیت میرے زیرِاہتمام قائم 'سائیوسا مرکزِ تربیت برائے ذہنی پسماندگان' (تاسیس ۱۹۶۲ء) کی بچی جمیلہ (اصلی نام نہیں) میں موجود تھی، اس کا درجہ ذہنی پسماندگی 'شدید' متعین کیا گیا، لیکن یاد داشت کا یہ عالم تھا کہ اپنی انگلش ریڈر کی نظم و نثر کے صفحات پر صفحات اُسے طوطے کی طرح ازبر تھے، تاہم حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ معمولی سے الفاظ جیسے کیٹ CAT یا رَیٹ RAT تک شناخت نہ کرسکتی تھی۔ یہ لڑکی بھی مرگی زدہ نہ تھی۔

یادداشت کی یا دیگر غیر معمولی صلاحیتیں عام افراد میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ہم سب کسی نہ کسی کی ایسی صلاحیت سے واقف ہیں، جس میں اُس نے کاغذ، پنسل یا مشینوں کے بغیر جمع، تفریق، ضرب، تقسیم، عادِ اعظم، ذواضعاف اقل وغیرہ اور ریاضی کے دیگر نہایت طویل، پیچیدہ و دشوار مسائل، سوال ختم ہونے سے پہلے ہی حل کردیئے۔ جنوبی ہندوستان کی 'شکنتلا' نامی ایک خاتون کو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت بدرجہ کمال عطا فرمائی تھی۔ اُس نے دو بار اپنے پاکستان کے دَوروں میں اپنے کمال کا مظاہرہ کیا، ۵۲ - ۱۹۵۱ء کے لگ بھگ اُس کے پہلے دَورے میں تھیوسوفیکل ہال، کراچی میں مجھے خود یہ عجوبہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بنکوں کے بڑے بڑے ماہرین رائج الوقت برقی مشینوں کے ساتھ اسٹیج پر اُس کے امتحان کے لئے موجود تھے۔ وہ چاک ہاتھ میں لئے سوال ختم ہونے کے ساتھ ہی تختہ سیاہ پر جواب لکھنا شروع کردیتی،

☆ یہ واقعہ مصنف سے مظہر یوسف صاحب نے ۱۰۔ فروری ۲۰۰۰ء کو بیان کیا، جب میں نے جی اے مجددی صاحب کے نام کی تصدیق کے لئے ان سے رابطہ کیا۔

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سنِ وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

اور مشینیں ابھی چرچرا رہی ہوتیں، کہ وہ جواب مکمل کر دیتی۔ یہ خاتون نہ ذہنی پسماندہ تھی، نہ مرگی زدہ اور نہ کسی علت میں مبتلا تھی۔

اسلامی تہذیب میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں، کہ آٹھ دس سالہ بچوں نے پورا قرآنِ کریم حفظ کرلیا، یا ۱۴ - ۱۵ سال کی عمر میں پیچیدہ دینی نصاب ختم کرکے فارغ التحصیل ہوگئے۔ مغربی ممالک میں بھی دس بارہ سالہ بچوں کے دقیق علمی کورس ختم کرکے یونیورسٹیوں میں داخلے کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ کینیا میں ۵ سالہ شریف رعد نامی یتیم اور ناخواندہ بچے کو پانچ زبانوں پر عبور حاصل ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ وہ لوگوں کی باتیں سن کر ہی اُن کی زبان سیکھ لیتا ہے۔ وہ ایک کیتھولک خاندان میں پیدا ہوا۔ چار ماہ کی عمر میں اُس کے پہلے الفاظ عربی میں یہ تھے "تم لوگ توبہ کرلو، اللہ تعالیٰ قبول کرلے گا"۔ اُس کے والدین سمجھے وہ آسیب زدہ ہے۔ تاہم جب پڑوسی مسلمانوں نے بچے کے اجنبی خطاب سے اس کے والدین کو آگاہ کیا، تو انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ خبر کے مطابق ایک ہزار افراد مسلمان ہوئے۔ یہ بچہ نہ آسیب زدہ ہے نہ مرگی زدہ۔ ☆

امریکہ میں جسٹن چیپ مین (JUSTIN CHAPMAN) نامی بچے نے دو سال کی عمر میں، جبکہ بچے بمشکل چند لفظ بول سکتے ہیں، پڑھنا شروع کردیا، اور اب (فروری ۲۰۰۰ء) چھ سال کی عمر میں کالج کے تین نصابوں میں بیک وقت داخلہ لے لیا ہے، راچسٹر یونیورسٹی (UNIVERSITY OF ROCHESTER) میں اس کا موضوع کورس "عالم قدیم" ہے۔ اس سے قبل وہ طویل یونانی رزمیہ نظم (EPIC) "الیاد" (ILLIAD)، نیز بابلی دیومالا (BABYLONIAN MYTHOLOGY) پر مقالات تحریر کرچکا ہے۔ وہ بڑا ہوکر دماغی جراح (BRAIN SURGEON) بننا چاہتا ہے۔ (اور وہ مرگی زدہ نہیں ہے)۔ ০

ہم سب جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے بھی بہ اذنِ اللہ مہد میں کلام کیا۔ اُن سے زیادہ ذہنی و روحانی صحت کا مالک اُن کے دَور میں کون تھا!

ڈاکٹر خالد جمیل اختر ایم بی بی ایس ماشاء اللہ جوان ہیں، لاہور میں طب کرتے ہیں، اور ٹیلی ویژن پر "بڑے بھائی" یا BIG BROTHER کے نام سے ذہنی و جسمانی معذوروں کے لئے اکثر پروگرام کرتے رہتے ہیں۔ دورانِ تعلیم ایک حادثے میں اُن کی بہت سے اعضاء شکستہ ہوگئے اور انہیں "صحت مند" ہونے میں طویل عرصہ لگا۔ اُس کے باوجود وہ صرف اس قابل

☆ روزنامہ "جنگ" کراچی، ۱۱۔ فروری ۲۰۰۰ء، صفحہ آخر۔

০ بی بی سی، انٹرنیٹ۔ ۱۹۔ فروری ۲۰۰۰ء

ہوئے کہ بیساکھیوں پر چل پھر سکیں۔ وہ پسرم ممتاز مسلم کے دوست ہیں۔ایک دفعہ "مسلم وِلا" میں دورانِ قیام، شب کو جب متعدد دوست گپ شپ کے لئے مجلس جمائے بیٹھے تھے، وہ پانی یا کسی دوسری ضرورت کے لئے حسب عادت بیساکھیوں کے سہارے تنہا باورچی خانے کی طرف چلے گئے۔ جہاں اُنہیں کوئی ایسی عجیب و غریب و ہیبت ناک ہئیت نظر آئی کہ وہ خوف اور دہشت سے چلانے اور اُچھلنے کودنے لگے، بیساکھیاں نیچے گر گئیں، دوست احباب چیخ و پکار سن کر بھاگتے ہوئے آئے، انہیں سوائے اس کے کچھ نظر نہ آیا، کہ خالد جمیل کی حالت غیر ہے، وہ اُچھل کود رہا ہے۔ اور بیساکھیاں نیچے گری پڑی ہیں۔ وہ آخری دن تھا کہ خالد جمیل نے بیساکھیاں استعمال کیں، اور اب غالبًا بیس برس سے زیادہ کا عرصہ ہو چلا ہے وہ ان کی مدد کے بغیر چلتے پھرتے ہیں۔ ہر چند کہ ان کا جسمانی نقص چلنے پھرنے میں واضح ہے ــــ ڈاکٹر خالد جمیل مرگی کے مریض نہیں ہیں۔ ❁

تسخیرِ کائنات

ایسی اور بھی خرقِ عادات صلاحیتیں یا مظاہر بچوں اور بڑوں سے سامنے آتے رہتے ہیں۔ اُن کی تحقیق و تدقیق اور تفتیش و جستجو نہ صرف وظیفۂ علمی ہے، بلکہ فریضۂ عبدیت بھی۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات اور اس کی موجودات انسان کے لئے مسخر کردیں۔ اور بمطابق آیتِ کریمہ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (۲-البقرہ-۳۱) "ہم نے آدمؑ کو تمام اشیاء (کائنات) کے نام (اور ان کی معرفت) کا علم دے دیا"۔ اور یہ تسخیر زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر شے کو بلا تخصیص و تحدید محیط ہے۔ مزید براں اِس عطائے شرف کی خبر درجنوں بار دی گئی ہے، تاکہ بنی نوع انسان علم و تحقیق کی اس نعمت سے بہر آن اور بہر طور متمتع ہو۔ اب لازم ہے کہ اس علم کی روشنی میں مزید تلاشِ اسرار و رموزِ فطرت ہو، لیکن ایسی صلاحیتوں کو جسمانی علتوں سے تعبیر کرکے مرض کی علامت قرار دینا خود نہ صرف علامتِ مرض ہے، بلکہ کفرانِ نعمت بھی۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جب کوئی صلاحیت یا حِس ضائع ہوجاتی ہے، تو اکثر اوقات اُس کے نعم البدل کے طور پر کوئی دوسری صلاحیت معمول سے بہت زیادہ بیدار ہوجاتی ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ اِس کا اِمکان فطرتِ انسانی میں طبعی طور پر ودیعت ہوتا ہے، لیکن یہ عمل رحمتِ ربانی سے ہی ظہور پذیر ہوتا ہے، نہ کہ کسی مرض سے یا مرگی کے جھٹکوں سے۔

❁ ان واقعات کا تذکرہ مصنف کی کتاب "پاکستان میں ذہنی پسماندگی" (اردو ایڈیشن) میں بھی موجود ہے۔

اور یہ اُس وقت ہوتا ہے جب اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ نے بقولِ قرآن انسان کو "احسنِ تقویم" میں پیدا کیا ہے، یہ احسنِ تقویم ہر وقت اُس کی صحتِ جسمانی و ذہنی اور حسنِ فکر و عمل میں ممدومعاون ہوتی ہے، لیکن بحران کی صورت میں اس کی معجز نمائی اپنی بلندیوں کو چھوتی ہے، بشرطیکہ فرد کی تعمیر سیرت میں خشتِ اول سیدھی رکھی گئی ہو۔ صلاحیتیں تو ہمہ دم موجود ہوتی ہیں، صرف ان کی بیداری، روئیدگی اور بالیدگی کی ضرورت ہے۔

گاندھی کے دل کی آواز (INNER VOICE) ہو یا مومن کے ضمیر کی صدا - ہر وقت مرگی یا حملہ' امراض کے بغیر رہنمائی کو موجود ہیں، ہماری دعا ہے، کہ اللہ تعالیٰ سائنس دانوں، ماہرینِ علومِ دنیا، علماء کرام اور عوام الناس سب کی راہ نمائی فرمائے۔

ایک مسئلہ رہ جاتا ہے۔ ارتقائی نمو (EVOLUTIONERY DEVELOPMENT) یا ڈارونی تصرف (DARWINIAN ADAPTATION) کا، جو اسی اخباری خبر میں اٹھایا گیا ہے۔ ہر چند مندرجہ بالا بحث سے اس پر بھی روشنی پڑتی ہے، لیکن کچھ نقاط اٹھانے میں کوئی قباحت نہیں۔

اگر "خداپیا" ڈارونی تصرف کا نتیجہ ہی فرض کرلیا جائے، تو بھی گذشتہ چند ہزار یا چند لاکھ یا چند کروڑ سال میں اس میں کسی تصرف کے شواہد نہیں ملتے۔ کروڑوں سال پرانی آثارِ قدیمہ کی کھدائی میں ہر انجر پنجر کے ساتھ خدائی یا روحانی عقائد کے آثار بھی ملتے ہیں۔ اس لئے ایمان، یقین یا عقیدے کا یہ تصور یا کیفیت مستقل اور مسلسل ہے۔ تہذیبوں کے عروج و زوال کی نسبت سے اس کی نوعیت میں تو تغیر و تبدل ممکن ہے، لیکن نفسِ عقیدہ یعنی کسی کیش یا مسلک کی طرف میلان یا کسی خدا پر ایمان غیر متبدل ہے۔

اس کھدائی کے عمل میں بے شمار قدیم (غالباً ۳۰ لاکھ سال پرانے تک) انسانی ڈھانچے بازیافت ہوئے ہیں۔ ہمارے علم کے مطابق تمام تر کوشش کے باوجود ابھی تک اس ڈارونی نظریئے کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ ابتدائی انسان طبیعی طور پر بتدریج ارتقائی عمل سے گزر کر جدید انسانی پیکر میں ڈھلا ہو۔ جغرافیہ، آب و ہوا، رنگ و نسل کے فرق کے علاوہ جو آج بھی موجود ہے، اور کسی فرق کی شہادت نہیں ملی۔ طبیعی ارتقاء (PHYSICAL EVOLUTION) کا تمام علم قیاس و ظن (CONJECTURE) پر مبنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈیڑھ دو سو سال کی محنتِ شاقہ اور موضوعی کوششوں کے باوجود ہنوز "گم شدہ کڑی" (MISSING LINK) کی دریافت نہیں ہوئی، اور جب تک یہ دریافت نہیں ہوتی، یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انسان بندر کی سطح سے ارتقاء پذیر ہوکر انسانی درجہ تک کس طرح پہنچا۔

یہ "گم شدہ کڑی" اگر واقعی موجود ہوتی تو اب تک، اتنی صدیوں کی مسلسل، عمیق اور دقیق تلاش کے بعد، جبکہ فطرتِ بیتاب اپنے اسرار و رموز کی نمود و ظہور کے لئے صلائے عام دے رہی ہے، دریافت ہو چکی ہوتی ــــ حقیقت یہ ہے کہ اِس "گم شدہ کڑی" کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، یہ محض ایک واہمہ ہے۔

ایک واہمہ ــــ ایک حقیقت

اگر یہ واقعی واہمہ ہے تو اِس عقل و دانش کے دَور میں بھی بعض لوگ اِس پر بہ اِصرار کیوں جمے ہوئے ہیں!

حقیقت یہ ہے کہ غلطی کا اعتراف اور اُس سے اِعراض سخت مشکل امر ہے۔ ازل میں ابلیس نے اپنی آتشی فطرت پر تکبّر کرکے حکمِ ربی کو تسلیم کرنے اور آدمِ خاکی کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے انکار کیا، اور وہ اپنی ضد پر قائم ہے۔

یہودیوں نے باوجودیکہ انہیں حضرت عیسیٰ کی آمد کا انتظار تھا، اُن سے انکار کیا، اور دو ہزار سال سے اِس واہمے میں گرفتار ہیں، کہ "مسیح" کو ابھی آنا ہے۔

یہودی اور عیسائی دونوں دوہزار سال سے اِس واہمے میں مبتلا ہیں، کہ عیسیٰ واقعی مصلوب کردیئے گئے۔

لوگ تو اِس واہمے میں بھی مبتلا ہوجاتے ہیں، کہ اُن پر وحی یا الہام کا نزول ہوتا ہے، اور لطف یہ کہ وہم کی یہ رَو اُن کے پیروکاروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لئے رکھتی ہے۔

یہ نفسیاتی طور پر مسلّم امر ہے کہ آدمی بتکرار کذب بیانی کرتے ہوئے اُسے سچ تسلیم کرنے لگتا ہے۔ غلطی کی تکرار مرورِ وقت سے عقیدے کا روپ دھار لیتی ہے، اور چونکہ یہ حقیقت نہیں ہوتی اس لئے اُسے واہمے کے سِوا اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔

عقائد کتنے ہی غیر منطقی یا غلط کیوں نہ ہوں، اُن پر اصرار، نیز رسوم و رواج، قومی و نسلی اساطیر، مظاہرپرستی، اصنام پرستی، اور CULTS وغیرہ کی اِس 'مہذب دَور' میں بھی کمی نہیں۔ بڑی بڑی 'ترقی پسند' اقوام کے افراد اپنے ہاتھوں سے مٹی اور پتھر کے بت تراش کر انہیں اوتار، پیغمبر اور خدا قرار دے کر، اُن سے عجیب و غریب کرامات منسوب کرکے اُن کی عبادت کرتے، اور اُن سے حاجت روائی کے طالب دکھائی دیتے ہیں۔ یہ واہمے جو ذہنِ انسانی میں دورِ ماقبل از تاریخ

میں داخل ہوئے، اِس روشن زمانے میں بھی کن کھجورے کی طرح اُس سے چپکے ہوئے ہیں۔

ہندوستان، ایشیاء، افریقہ، آسٹریلیا، امریکہ یا یورپ کا کون سا ملک ہے جہاں یہ 'توہم پرستی' رائج نہیں؟ اِس کا ترک قومی، نسلی یا مذہبی تفاخر کی نفی کے مترادف ہے، جو متعلقہ طبقوں کی انفرادی اور اجتماعی اَنا کو گوارا نہیں۔ 'علوم' کے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج پر فائز لوگ بھی اِس میں مبتلا ہیں، بلکہ یہ عِلل اُن کے خون میں اِس درجے سرایت کرچکے ہیں کہ وہ زورِ 'علم' سے اِس کی ایک سے ایک بڑھ کر توجیہ پیش کرنے میں پُرجوش رہتے ہیں۔

نوعِ بشر کا بندر سے انسان تک کا 'اِرتقاء' بھی ایک ایسا ہی علمی واہمہ ہے، جس کا آغاز حقیقت کی جستجو میں ایک مفروضے سے ہوا، لیکن اِس کے عدم ثبوت کے باوجود بار بار تکرار کے باعث اِس کا خالق ڈارون اور اُس کے کچھ پیروکار یقین کی حد تک اِس وہم میں مبتلا ہوگئے، کہ اُن کی بات غلط نہیں ہوسکتی! اگر وہ اِس سے دست بردار ہوتے ہیں، تو نظریۂ اِرتقاء کی ساری عمارت دھڑام سے نیچے آگرتی ہے، اور ناکامی کا یہ تصور کیسے قابلِ قبول ہوسکتا ہے؟ آج تک کون سا واہمہ، کہانت، مظاہر یا اصنام پرستی، اساطیر پر اعتقاد یا عقیدہ یا آبائی رسم و رواج ایسا ہے جو ایک بار شروع ہوکر ختم ہوگیا! اُس کے کچھ نہ کچھ ماننے والے، بمصداق وفاداری بشرطِ استواری ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔

"اِرتقائے انسانی" کی یہ گم شدہ کڑی بھی محض ایک ایسا ہی واہمہ ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے کمالِ خلاقی اور رحمتِ عالی سے براہِ راست "احسنِ تقویم" کی مکمل و جامع صورت میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا، جیسا کہ فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (۹۵ - التین - ۴) "ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں بنایا" وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (۳۲ - السجدہ - ۹) "اور اُس میں اپنی روح پھونک دی" - اور اِس بہترین سانچے کی تخلیق میں اس مخلوق یعنی انسان کی سب طبعی، روحانی اور ذہنی صلاحیتیں، اُن کی صلاحیتِ قبول، ترقی، نمود، روئیدگی، افزونی و بالیدگی غرضیکہ سبھی صفات شامل ہیں، اور یہ سب خالقِ انسان کے حرف قرآن سے ثابت ہیں۔

آج کل کی معجز نما سائنسی ترقی نے تو یہ بھی ثابت کردیا ہے، کہ ہر انسان کے انفرادی، پُراسرار اور پُرپیچ جوہری ذرات اپنے خواصِ موروثی کے ساتھ اور بمع دستورِ نمو (کوڈ)، اُس کے حیاتیاتی خلیوں میں محفوظ ہیں، جسے DEOXYRIBONUCLEIC ACID یا مخفف

ایک عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے کہ چاند کی فضیلت دوسرے تمام ستاروں پر (سنن ابوداود و ترمذی)

کے طور پر DNA کا نام دیا گیا ہے، اس میں وہ نوعِ انسانی کے باقی تمام افراد سے منفرد و ممیز ہے۔ اور اِس کی وجہ سے اپنی الگ شناخت کا حامل ہے۔ (کیا یہ 'لوحِ محفوظ' سے فرد کی تقدیرِ مرقومہ کا ایک ہلکا سا عکس تو نہیں؟)، گویا تمام انسان ایک نوع ہونے کے باوصف اپنے اپنے طور پر علیحدہ علیحدہ اکائی ہیں اور انفرادی شناخت رکھتے ہیں۔ اور یہ امر سائنسی طور پر مسلّم الثبوت مانا جاتا ہے۔

بلکہ گذشتہ دنوں ٹی وی کے نیشنل جیوگرافک چینل پر ایک ماہر آثارِ قدیمہ خاتون سے، جب وہ پہاڑ کی ڈھلان پر بیٹھی لکھوکھا سال پرانے ایک خاتون کے ڈھانچے پر محبت سے ہاتھ پھیر رہی تھیں، یہ چشم کشا اور ایمان افروز تبصرہ بھی سنا، کہ 'تمام عورتیں خواہ زمین کے کسی خطے پر گزری ہوں، اور ان کا کسی رنگ و نسل سے بھی تعلق رہا ہو، 'ایک ہی ماں کی اولاد ہیں'۔

اللہ اکبر، اب یہاں سے یہ منزل کتنی دُور ہے جب یہ تسلیم کرلیا جائے گا کہ "تمہارے رب نے تم کو نفسِ واحد سے پیدا کیا، پھر اُسی (واحد) سے اُس کا جوڑا خلق کیا، اور پھر اُن سے بے شمار مرد اور عورت پیدا کیے" (۴ - النساء - ۱)، جن کی اولاد سب نوعِ انسانی ہے۔

جب نوعِ انسانی کا ہر فرد، دوسرے سے الگ، ایک منفرد ذات ہے تو اُس کی پوری نوع کے دوسری انواعِ مخلوقات سے الگ اور منفرد ہونے میں کِیا شک رہ جاتا ہے۔ صریحاً واضح ہے کہ انسان نہ صرف تمام مخلوقاتِ کائنات (حیوانات، نباتات، اجرامِ فلکی، آب و آتش و ہوا وغیرہ سب) سے مختلف ہے، بلکہ وہ نوعِ حیوانات بشمول ڈارون کے عم زاد بندر وغیرہ سے بالخصوص الگ، منفرد، ممتاز و ممیز مخلوق ہے۔ بلکہ صاحبِ نُطق، صاحبِ علم و شعور، صاحبِ فکر، صاحبِ ارادہ، صاحبِ قلم اور صاحبِ احسنِ تقویم ہونے کے سبب برتر و اعلیٰ یعنی اشرف المخلوق ہے، اور اسی باعث مسجودِ ملائک اور نیابت الٰہی کے منصب پر فائز ہے۔

اس کے باوجود حیرت ہے کہ جو بات ظن و تخمین کی گرد میں ملفوف ہے، سائنس کے بعض اہلِ علم اُسے تو حرزِ جان بنائے ہوئے ہیں، اور وہ حق جو دلائل و براہین سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور مشاہدات و سائنسی تجربات سے ثابت ہے، لکیر کے فقیر ہونے کے باعث اُس سے منکر یا قبول کرنے میں متامل ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ بے یقینوں کو روشنی کی کرن تو کیا، اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر نہیں آتا۔ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِىْ بَحْرٍ لُّجِّىٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ : امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ ط اِذَآ اَخۡرَجَ یَدَهٗ لَمۡ یَكَدۡ یَرٰىهَا ط وَمَنۡ لَّمۡ یَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ ٥ (۲۴ - النور - ۴۰) " اور کافروں کی کیفیت ایسی ہے جیسے گہرے سمندروں کے گھپ اندھیرے کو ایک (بڑی) موج نے ڈھانپ لیا۔ پھر اُس موج کے اوپر (ایک اور) موج (چھائی) ہو۔ (پھر) اُس کے اوپر بادل ہو، (غرض) اوپر تلے (تہ در تہ) اندھیرے ہیں۔ اگر کوئی اپنا ہاتھ بھی نکالے تو بھائی نہ دے۔ (دل کی سیاہی کا یہ عالم ہو تو) جس کو اللہ ہی نورِ (ہدایت) نہ دے (یعنی وہ خود حصولِ نورِ ہدایت کی طرف پیش قدمی نہ کرے)، تو اُس کے لئے (کہیں سے حصولِ) نور (کی صورت) نہیں"۔

اور تمام تر تحقیق و تدقیق کے باوجود جب تک وہ نورِ ایمان سے منور نہ ہوں گے اور اپنے اندر کے 'خدا پیا' کو متحرک نہ کریں گے، ظن و تخمین اور قیاس و گمان کے اندھیروں میں تہ بہ تہ گم و سرگرداں رہیں گے۔ کیونکہ کائنات کی معرفت کا نور جب ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ خالقِ کائنات کی تسلیم و بندگی کی مشعل دل کے اندر روشن کی جائے۔

منشورِ انسانیت

اِس کا آسان علاج، حل یا جواب اللہ تعالیٰ کی ذاتِ لا شریک میں ایمان ہے۔ جو بدیع السموات و الارض ہے۔ جو خالق و باری ہے، جو حیّ و قیوم ہے اور محیی و ممیت ہے، جو علیم و خبیر ہے، جس نے انسان کو احسنِ تقویم میں خلق کرکے اُسے اشرف المخلوق اور علم سے بہرور فرماکر مسجود ملائک کے مرتبے پر سرفراز فرمایا، اور زمین میں اُسے اپنی نیابت کا شرف بخش کر اُسے یہ منشور عطا کیا:

- "اور ہم نے (آدم) کو حکم دیا کہ تم سب نیچے اتر جاؤ (جسمانی طور پر جنت سے اور روحانی طور پر احسنِ تقویم کی کیفیت سے)، پھر اگر تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے (اور وہ یقیناً پیغمبروں، وحی اور کتابوں کی صورت میں پہنچے گی) تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا (ایمان لائے گا اور عمل کرے گا)، سو اُن کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے"۔ (۲ - البقرہ - ۳۸)

"بیشک تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمینوں کو (عدمِ محض سے وجود میں لاکر) پیدا کردیا چھ دنوں میں، پھر قائم ہوگیا عرش پر (اُس کا جاہ و جلال

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۶۴ ہجری اور سن وصال ۲۴۱ ہجری ہے ☆

کائنات پر قائم ہوگیا)، ڈھانپ لیتا ہے رات سے دن کو، اور وہ (رات) جلدی سے اُسے (دن کو) آلیتی ہے۔ اور سورج اور چاند اور ستاروں کو اُسی نے پیدا کیا۔ سب اُسی کے حکم کے تابع ہیں۔ یاد رکھو اُسی کے لئے خاص ہے آفرینش (بھی) اور حکومت (بھی)۔ برکت سے بھرپور ہے اللہ، سارے جہانوں کا پروردگار۔ اپنے رب سے دعا کرو، عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے -- بے شک وہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا -- اور زمین میں اس کی اصلاح (عدل و امن) کے بعد فساد نہ مچاؤ -- اور اللہ کو پکارتے رہو، خوف کے ساتھ (بھی) -- اور آرزو (امیدِ لطف و کرم) کے ساتھ (بھی)۔ بے شک اللہ کی رحمت احسان کاروں کے بہت قریب ہے"۔ (۷ - الاعراف - ۵۶)

- "ایک دوسرے کے ساتھ نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرتے رہو، اور گناہ اور زیادتی (ظلم و جبر، فتنہ و فساد) میں ایک دوسرے کے مددگار نہ بنو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے پر قادر ہے"۔ (۵ - المائدہ - ۲)
- "اور لازم ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت (موجود) رہے جو نیکی کی طرف بلایا کرے اور بھلائی کا حکم دیا کرے۔ اور بدی سے روکا کرے۔ اور یہی لوگ ہیں جو (اللہ کے نزدیک، دین و دنیا دونوں میں) کامیاب ہیں"۔ (۳ - آل عمران - ۱۰۴)

ذرا تھم جایئے ڈاکٹر ولایانُر راما چندرن کی تحقیق میں جس 'خدا پیا' یا 'روحانی تجربات' کا عکس ہے، اور 'ڈارونی تصرف' میں 'نوع انسانی کے افراد کے درمیان جس 'ہم آہنگی کی حوصلہ افزائی' ہے، وہ کہیں تکوین کے اس منشور میں تو نہیں جھلک رہی ہے! اگر ایسا ہے تو یقیناً راما چندرن یا ڈارون کو ظلمتِ قیاس میں ٹاک ٹویئے مارنے کے بجائے نورِ ایمان کی روشنی سے فیض یاب ہونا چاہیئے۔

......☆......

You are the servant, He is the Master.
Prayers come from you, answers come from Him.
Abstinence comes from you, protection comes from Him.
Repentance comes from you, acceptance comes from Him.
Go towards him walking, He will come to you running.

☆☆☆ میں نے امام شافعی سے زیادہ کسی کو عقل والا نہیں پایا (ابو عبید) ☆☆☆